ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی*

مولانا وحید الدین خاں اور استاذ جاوید احمد غامدی کا فلسفۂ دعوت**

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

راقم خاکسار نے مولانا وحید الدین خاں[1] کے لٹریچر کا بیش تر حصہ پڑھا ہے۔ان کی کلاسوں میں شرکت کی ہے اور کئی مرتبہ ان سے بالمشافہ ملاقات اور گفتگو کرنے کا موقع بھی ملا ہے۔ان کے فکری و عملی کام کے سلسلہ میں راقم کا خیال یہ ہے کہ عصر حاضر میں مولانا مودودی اور سید قطب شہید کی دین کی سیاسی تعبیر کے جو تلخ نتائج بعد میں سامنے آئے، اس کا ادراک سب سے پہلے مولانا وحید الدین خاں نے کیا اور دین کی سیاسی تعبیر کا سب سے زیادہ علمی اور زبردست جواب مولانا نے فراہم کیا اور ایک متبادل دعوتی آئیڈیالوجی پیش کی[2]۔اس کے علاوہ راقم کے نزدیک ان کی بڑی خدمات میں سے یہ ہے کہ :

☆ عصر حاضر کی تہذیب نے اور خاص کر سائنسی فکری الحاد نے جو چیلنج پیدا کیے، ان کا اپنی بساط بھر بہترین

---

* ریسرچ ایسوسی ایٹ، مرکز فروغ تعلیم و ثقافت مسلمانان ہند، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

** نوٹ: یہ مضمون تاثراتی نوعیت کا ہے، تحقیقی یا علمی نوعیت کا نہیں ہے۔

۱۔ مولانا کی زندگی اور کارناموں کے لیے دیکھیے: شاہ عمران حسن، اوراق حیات، رہبر بک سروس، نئی دہلی ۲۰۱۵ء، غطریف شہباز ندوی، عالم اسلام کے چند مشاہیر، فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی، مارچ ۲۰۱۴ء، ص ۲۹۱۔

۲۔ تعبیر کی غلطی اور الاسلام، گڈورڈ بکس، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی۔

جواب دیا، جس کا بہترین نمونہ 'مذہب اور علم جدید کا چیلنج'، 'عقلیات اسلام'، 'مذہب اور سائنس' اور 'اظہار دین' ہے۔ یہ سائنسی چیلنج کے جواب میں نیا علم کلام ہے، تاہم اس میں موجودہ کاسمولوجی کے چیلنج کو دیکھتے ہوئے مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ جو امکانات اسلامی دعوت کے لیے موجودہ تہذیب نے پیدا کیے ہیں، مثلاً اظہار راے کی آزادی، جدید ذرائع ابلاغ اور آج کے انسان کا سائنٹیفک ذہن وغیرہ، ان امکانات کو ایجابی طور پر کیسے استعمال کیا جائے اور پرامن طور پر اسلام کی دعوت کیسے پیش کی جائے۔ اس کے لیے مولانا نے ''الرسالہ'' کے پلیٹ فارم سے مسلسل جدوجہد کی ہے۔

☆ تشدد کی انھوں نے غیر مشروط مخالفت کی اور اس کو کسی قسم کا جواز اگر مگر کے ذریعے سے نہیں دیا، یعنی دنیا بھر میں امن کی مساعی کے لیے ان کا نظریاتی کام بھی قابل ذکر کنٹری بیوشن ہے۔ انھوں نے ثابت کیا کہ اسلامی دعوت میں تشدد کا عنصر خدا کو قابل قبول نہیں، اور نہ آج کے انسان کو، اس لیے بجا طور پر ان کو امن کا عالمی سفیر بھی کہا جاتا ہے۔

☆ مغربی تہذیب و تمدن کے منفی رجحانات سے بچتے ہوئے اور اس کے سلبی پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے مثبت پہلوؤں سے فائدہ کشید کرنے کی تعلیم دی ہے۔

☆ ہندوستان کے تناظر میں ملت اسلامیہ ہند کو بے جا جذباتیت، سطحی ہنگامہ آرائی، اور مطالباتی سیاست سے دور کرنے کی مسلسل کوشش کی ہے۔ اور بلاشبہ اس کے مثبت اثرات مسلمانان ہند کی زندگیوں پر پڑے ہیں۔

☆ انھوں نے اپنے ادب کے ذریعے سے تذکیر بالآخرت کی، خدا کی عظمت کا احساس دلایا اور بتایا کہ یہی اصل پیغمبرانہ دعوت ہے۔

☆ بعض جذباتی اور جوشیلے مسلمانوں کے جنگی جنون، عام مسلمان علما کی مغرب سے بے جا نفرت، مسلمانوں کے طرز عمل میں ایک طرح کی دوئی اور منافقت سے جو مسائل پیدا ہوئے، ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مولانا کا دعوتی فلسفہ یہ ہے کہ مدعو سے نفرت نہیں محبت اور ہمدردی کی جائے۔ اور دار الحرب و دار الاسلام کے قدیم فقہی فریم ورک کو چھوڑ کر اب مسلمانوں کو پوری دنیا کو دار الدعوۃ سمجھ کر پرامن طور پر زندگی کے معاملات کو چلانا چاہیے۔ اور مثبت طور پر اسلام کے پیغام کو عام کرنا چاہیے۔ مولانا کا تصور دعوت یہ ہے کہ دین کا اصل مخاطب فرد ہے، نہ کہ اجتماع۔ اور اجتماع میں بھی کوئی تبدیلی فرد کی تبدیلی کے بغیر نہیں آسکتی۔ وہ اقتدار کو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خدا کا انعام مانتے ہیں اور ان کے نزدیک اس کو نشانہ بنا کر کوئی تحریک چلانا لغو ہے۔ احیاے اسلام یا غلبۂ اسلام جیسے نعروں کے مقابلہ میں انھوں نے دعوہ ایکٹوازم کا تصور عام کیا۔ وہ کہتے ہیں: دعوت کی ذمہ داری ہر ہر مسلمان پر اسی طرح عائد ہوتی ہے، جس طرح وہ پیغمبر پر عائد تھی[۳]۔

☆ غیر مسلم انٹیلیکچوئل کلاس سے مولانا کا انٹرایکشن زندگی بھر جاری رہا، یہی وجہ ہے کہ راقم کی نگاہ میں وہ مسلمانوں اور مغرب سمیت تمام غیر مسلم دنیا کے درمیان ایک پل کا کام دے سکتے ہیں[۴]۔

استاذ جاوید احمد غامدی[۵] سے راقم کی واقفیت ذرا بعد کی ہے اور وہ اس وقت شروع ہوئی جب میں لکھنؤ میں ''ادارہ معہد الفکر الاسلامی'' میں فضلاء مدارس کے لیے ایک وسیع تر تربیتی کورس کو ترتیب دے رہا تھا۔ اس دوران مختلف مکاتب فکر اور دانش وروں سے تبادلۂ خیال کے علاوہ مختلف مکاتب فکر کا مطالعہ کیا تو رسالہ ''اشراق'' اور ادارہ ''المورد'' سے ابتدائی تعارف ہوا۔ بعد میں ماہنامہ ''الشریعہ'' سے تعارف ہوا اور اس میں راقم کے چند مضامین بھی چھپے تو غامدی صاحب کے بارے میں مزید معلومات ہوئیں۔ اس کے بعد ماہنامہ ''اشراق'' کے مسلسل مطالعہ کے علاوہ غامدی صاحب کی کتابیں ''برہان'' اور ''مقامات'' پڑھیں۔ ۲۰۱۲ء میں انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے زیر اہتمام بین الاقوامی سیرت کانفرنس میں شرکت کے لیے پاکستان کا سفر ہوا تو ''المورد'' کے ارباب اہتمام نے غامدی صاحب کی ''میزان'' تحفہ میں پیش کی۔ مزید شوق ہوا تو یوٹیوب پر ان کے متعدد لیکچر سنے۔ اس طرح اب غامدی صاحب کی فکر کے اہم پہلو واضح ہوگئے ہیں۔ راقم ان کے لیکچروں سے مستفید ہوتا ہے، مگر بالمشافہ ملاقات اور دید و شنید کا موقع ابھی ہاتھ نہیں آیا، البتہ ایک آن لائن کورس مدرسہ ڈسکورسز کے واسطہ سے ان کے ایک شاگرد رشید مولانا عمار خاں ناصر مدیر ''الشریعہ'' کی شاگردی میں رہنے کا موقع ضرور ملا ہے۔ راقم کے نزدیک غامدی صاحب کے امتیازات یہ ہیں:

۱۔ غامدی صاحب کی صورت میں فکر فراہی نے عالمی فکر اسلامی کے طور پر ظہور کیا ہے، اِس سے قبل وہ چند

۳۔ ملاحظہ ہو: الرسالہ، فروری ۲۰۱۷ء، ص ۴۲۔

۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: غطریف شہباز ندوی، عالم اسلام کے مشاہیر، فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی، مارچ ۲۰۱۴ء۔

۵۔ استاذ جاوید احمد غامدی پر کوئی وقیع علمی کام سامنے نہیں ہے، ایک ابتدائی سی کوشش شاہ عمران حسن کی ''حیات غامدی'' رہبر بک سروس نئی دہلی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

علمی اداروں اور بعض مدرسوں، یعنی مختصر سی اکیڈمک دنیا میں محدود تھی۔

۲۔ تعبیر دین میں مولانا وحید الدین خاں سے استفادہ کے ساتھ ہی انھوں نے منہج فراہی و اصلاحی کو بھی بلند آہنگ کے ساتھ پیش کیا۔ اگرچہ خاں صاحب فکر فراہی کے خوشہ چینوں میں سے نہیں ہیں، حالاں کہ وہ بھی مولانا امین احسن اصلاحی کے شاگرد رہے ہیں اور مدرستہ الاصلاح میں تعلیم پائی ہے۔ تاہم وہ فکر فراہی کے نظریۂ نظم قرآن پر نقد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں: ''اسی طرح کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ ''نظم کلام'' وہ کلید ہے جس کے ذریعہ ہم قرآن کو سمجھ سکتے ہیں، مگر یہ جواب بھی درست نہیں، کیونکہ وہ ذاتی سوچ (Reasoning) پر مبنی ہے۔ قرآن میں ایسی کوئی آیت موجود نہیں جو یہ اعلان کرتی ہو کہ نظم کلام کا سمجھنا فہم قرآن کی کلید ہے[۶]۔''

مولانا فراہی و اصلاحی کا نام لے کر ایک جگہ انھوں نے فلسفۂ نظم قرآن کو بتایا پھر صراحت سے لکھا: ''نظم کو فہم قرآن کا ایک پہلو کہا جا سکتا ہے، لیکن اس کو فہم قرآن کی کلید کہنا درست نہیں[۷]۔'' بہر کیف غامدی صاحب کا طریق فکر اس معاملہ میں خاں صاحب سے یکسر جدا ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ مولانا خاں صاحب نے قرآن کریم کا اس طرح تحقیقی مطالعہ نہیں کیا جو مکتب فراہی کا امتیاز ہے۔ انھوں نے قرآن کو اسلامی علوم کا مرکز و محور بنانے کے بجائے اس کے 'تذکیری' مقام کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ اپنی تفسیر کا نام بھی ''تذکیر القرآن'' رکھا ہے۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ مولانا فراہی بھی اس وقت کے عام علما کی طرح مغرب کے بارے میں منفی خیالات رکھتے تھے۔ مثال میں وہ یہ بات پیش کرتے ہیں کہ علی گڑھ میں استاد پروفیسر آرنولڈ نے 'پریچنگ آف اسلام' لکھی تو مولانا فراہی بھی اس کے بارے میں یہی خیال رکھتے تھے کہ وہ مسلمانوں کے اندر سے جذبۂ جہاد ختم کرنے کے لیے لکھی گئی ہے[۸]۔ حالاں کہ مولانا علی میاں نے اس کتاب کو اسلامی دعوت کی تاریخ کے حوالہ سے بہت اہمیت دی ہے، اور ''تاریخ دعوت و عزیمت'' میں فتنۂ تاتار اور بعد میں تاتاریوں کے قبول اسلام کے سلسلہ میں اس کتاب کے حوالے جا بہ جا دیے ہیں۔

۳۔ غامدی صاحب نے سائنس فکشن یا سائنسی لٹریچر غالباً اس طور پر نہیں پڑھا، جس طور پر خاں صاحب نے پڑھا، مگر وہ فلسفہ کے باقاعدہ طالب علم رہے ہیں، اس لیے سائنس کی فکریات یا فلسفۂ جدیدہ پر ان کی گہری نظر

۶۔ مطالعہ قرآن، گڈورڈ بکس، نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی، ص ۲۰۔

۷۔ الرسالہ، اپریل ۲۰۱۴ء۔

۸۔ ملاحظہ ہو: مقدمہ تفسیر نظام القرآن از مولانا امین احسن اصلاحی، البلاغ، نئی دہلی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہے، جب کہ خاں صاحب فلسفہ پر سخت تنقید کرتے ہیں۔

۴۔ ادب کے حوالے سے مولانا خاں صاحب اور غامدی صاحب کے نقطۂ نظر میں واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔ مولانا ادبی چیزوں کو نہ صرف خود نہیں پڑھتے، بلکہ اپنے منتسبین کو بھی اس سے منع کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ادبی لٹریچر انسان کو شاعرانہ اور غیر حقیقت پسندانہ مزاج کا حامل بناتا ہے اور سائنٹیفک ٹمپرامینٹ کی نفی کر دیتا ہے۔ اسی لحاظ سے مولانا کی زبان و بیان اور اسلوب تحریر بہت ہی سادہ، سائنٹیفک اور آسان ہے۔ البتہ وہ انگریزی کے الفاظ اور جملے بکثرت استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے کبھی کبھی تحریر میں ثقل پیدا ہو جاتا ہے، جب کہ غامدی صاحب بڑا زبردست ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ وہ خود قادر الکلام شاعر ہیں اور عربی و فارسی ادب کے واضح اثرات ان کی تحریروں میں نظر آتے ہیں۔ عربی و فارسی اشعار اور جملے اور محاورے ان کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں۔ ان کے سابقین میں مولانا فراہی خود امام ادب ہیں، عربی کے قادر الکلام شاعر اور عربی بلاغت میں خود ایک نئے مسلک کے امام۔ اسی طرح مولانا اصلاحی بھی عربی ادب کے شناور۔ غامدی صاحب نے بھی یہ ذوق اساتذہ سے پایا اور خود اپنے مطالعہ سے اس کو جلا دی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmedghamidi.com

علی گڑھ میں راقم کا آنا جانا مولانا سلطان احمد اصلاحی مرحوم[9] کے ہاں تھا۔ مولانا اصلاحی کے ذوق بہت متنوع اور وسیع الجہات تھے۔ تا عمر انھوں نے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی فکر کی ترجمانی کی، مگر عمر کے آخری پڑاؤ میں وہ اس فکر کے شدید ناقد بن کر سامنے آئے۔ حاکمیت الٰہ کے تصور پر نقد میں ان کی ایک کتاب بھی ہے جو ابھی غالباً شائع نہیں ہوئی[10]۔ وہ پاکستان گئے اور ''المورد'' کے احباب نے ان سے انٹرویو کیا جو ''اشراق'' میں شائع ہوا۔ ایک بار غامدی صاحب کے بارے میں ان سے گفتگو ہو رہی تھی، انھوں نے فرمایا کہ ''میرا تو خیال یہ ہے کہ عربی ادب پر جاوید احمد غامدی کی نگاہ مولانا امین احسن اصلاحی سے زیادہ وسیع ہے''۔ مولانا کے جملہ کو مبالغہ پر محمول کیا جا سکتا ہے، مگر اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ سنجیدہ اہل علم غامدی صاحب کے بارے میں کیا راے

۹۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی کے بارے میں ملاحظہ کریں راقم کا مضمون شائع شدہ ترجمان دار العلوم دیوبند جدید، جنوری تا مارچ ۲۰۱۸ء، شائع کردہ تنظیم ابنائے قدیم، دار العلوم دیوبند، نئی دہلی۔

۱۰۔ یہ کتاب بالاقساط رسالۂ علم و ادب میں، جو خود مولانا مرحوم نے قائم کیا تھا، شائع ہوئی، اس کی غالباً تیسویں قسط شائع ہوئی، اس کے بعد مولانا خالق حقیقی سے جا ملے اور ان کے اخلاف نے دو تین ماہ رسالہ جاری رکھنے کے بعد اس کو بند کر دیا، کتاب بھی ابھی شائع نہیں ہوئی۔

رکھتے ہیں۔ قرآن دین کا اصل سرچشمہ ہے یا قرآن وسنت، دونوں کا مجموعہ، یہ بحث قدیم سے چلی آرہی ہے۔ غامدی صاحب نے ایک بڑی خوب صورت، ادبی، جامع اور معنی خیز تعبیر وضع کی اور فرمایا: ''دین کا تنہا ماخذ اب صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے''، اہل ذوق اس کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

افسوس یہ ہے کہ آج تک استاذ غامدی کے جتنے بھی ناقدین کو ہم نے پڑھا جو جماعت اسلامی، اہل حدیث اور دیوبندی اور نئے روایت پرست سبھی مکاتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں، ان حضرات میں سے کسی نے بھی کوئی علمی اور اصول پر مبنی تنقید نہیں کی۔ مذہبی ٹھیکہ دار صلاح الدین یوسف، نادر عقیل انصاری اور حافظ زبیر جیسے لوگ ایسی علمی خیانتوں اور مغالطوں کے مرتکب ہوئے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ ایک اور مہربان نے لکھا: ''غامدیت تجددپسندی کی کوکھ سے برآمد ہوا ایسا فتنہ ہے جس نے اسلام کے متوازی ایک مذہب کی شکل اختیار کر لی ہے''[11]۔ البتہ حال ہی میں ایک تنقید نظر سے گزری، جو بڑی شرافت، متانت اور دلائل کے ساتھ متوازن اسلوب میں اور ادب واحترام کے ساتھ کی گئی ہے۔ یہ ناقد ہیں مولانا ناظم اشرف مصباحی، انھوں نے ''جاوید احمد غامدی کی تنقیدات تصوف کا علمی جائزہ''[12] کے نام سے مضمون لکھا اور تصوف کا بھرپور دفاع کیا ہے۔ مولانا وحیدالدین خاں کو بھی اسی طرح مخالفانہ پروپیگنڈا کا سامنا زندگی بھر رہا جس میں جماعت اسلامی، اہل حدیث اور دیوبندی مکتب فکر ہر ایک نے حسب توفیق خوب حصہ لیا۔ بعض اوقات، خاص کر بابری مسجد کے قضیہ میں بعض اکابرندوہ نے ان کے خلاف پروپیگنڈا مہم چلائی۔ اب اس کو تاریخ کی ستم ظریفی ہی کہہ سکتے ہیں کہ آج وہی حضرات ٹھیک اسی جگہ آکر کھڑے ہوگئے ہیں جہاں کل مولانا کھڑے تھے اور کل کے ان کے حواری مواری اب خود ان کے خلاف زہر اگل رہے ہیں!!

۵۔ ان دونوں حضرات کے مابین ایک بڑا فرق یہ ہے کہ غامدی صاحب فکر، علم اور تعبیر دین، سب میں بنیادی ماخذ قرآن پاک اور سنت ثابتہ جاریہ کو بناتے ہیں۔ احادیث آحاد سے استفادہ وہ ضرور کرتے ہیں، مگر دین میں ان کے نزدیک ان کی اصل حیثیت تاریخ کی ہے جس کی چھان پھٹک ضروری ہے۔ احادیث آحاد سے ان کے نزدیک نہ ایک تنکے کا اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی، یعنی ان سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا[13]۔

۱۱۔ ماہنامہ تحفظ، اپریل ۲۰۱۱ء۔

۱۲۔ ملاحظہ ہو: الاحسان کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۸، جنوری ۲۰۱۸ء، شاہ صفی اکیڈمی، خانقاہ عارفیہ سید سراواں الٰہ آباد، انڈیا۔

۱۳۔ جاوید احمد غامدی، میزان، شائع کردہ المورد لاہور، جنوری ۲۰۱۸ء ص ۶۲۔

ہماری علمی تاریخ میں اصولی طور پر یہی موقف امام ابو حنیفہ اور شاطبی جیسے کبار ائمہ و اصولیین کا رہا ہے۔ تعبیرات مختلف ہو سکتی ہیں۔

تاہم، راقم خاکسار کو ایسا لگتا ہے کہ محدثین اور روایت پرستوں کے منہج فکر کا ایسا استیلا ہماری علمی دنیا پر ہو گیا تھا کہ وہی منہج چھا گیا، باقی مکاتب فکر بھی ان سے شدید متاثر ہوئے۔ محدثین کا یہ منہج بنیادی طور پر عقل مخالف اور حرفیت پسندی پر مبنی تھا، اس لیے مسلمانوں میں عمومی طور پر علمی دنیا پر زوال طاری ہوا جو آج تک چلا آتا ہے۔ اس زوال سے صرف مسلک اعتزال بچا سکتا تھا کہ معتزلہ بھی علما کے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، ابو مسلم اصفہانی اور زمخشری وغیرہ معتزلی علما نے قرآن کریم پر غور و فکر کی اعلیٰ مثال قائم کی تھی۔ لیکن ان کے فکری تشدد اور اقتدار وقت سے قربت نے ان کو امام احمد بن حنبل وغیرہ کے مقابل میں لا کھڑا کیا۔ امام احمد کو ان کی طرف سے جو شدید اذیتیں پہنچیں، ان کے باعث معتزلیوں کے خلاف عام مسلمانوں میں شدید رد عمل پیدا ہوا اور محدثین نے معتزلہ کو اتنا مطعون کیا کہ آج اعتزال کو ایک گالی سمجھا جاتا ہے۔ البتہ اہل سنت کے عام کلامی مکاتب فکر اشاعرہ اور ماتریدیہ نے معتزلہ سے بہت کچھ استفادہ کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پایا۔ وجہ یہ ہے کہ فلسفیانہ اور منطقی طرز فکر کے ماحول میں محدثین کا جامد اور حرفیت پر مبنی عقل دشمن موقف ذرا بھی کام نہیں آتا۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ ابن تیمیہ غزالی پر یا فلاسفہ اسلام پر جو بھی تنقید کرتے ہیں، وہ بھی عقلی استدلال پر ہی مبنی ہوتی ہے[14]، یہاں تک کہ متاخر محدثین نے بھی اپنی شدت میں کمی پیدا کی اور متکلمین کی خدمات کا اعتراف کیا۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

بہر حال، مولانا وحید الدین خاں کا نقطۂ نظر اس معاملہ میں مختلف ہے، وہ یہاں عام اور روایتی نقطۂ نظر کے مقلد محض ہیں۔ راقم یہ سمجھتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے تحقیقی علم سے خاں صاحب کو زیادہ سروکار نہیں رہا۔ ان کی ابتدا ایک داعی و مصنف کی حیثیت سے ہوئی، پھر سائنس اور مغربی تہذیبی چیلنجوں کے مطالعہ کی طرف ان کا رخ ہو گیا اور عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر کی فراہمی ان کا ہدف بن گیا۔

۶۔ تصوف اور صوفیا پر یہ دونوں حضرات ہی تنقید کرتے ہیں، مگر مولانا خاں صاحب کی تنقید یہ ہے کہ

۱۴۔ محدثین اور دوسرے کلامی مکاتب فکر کے تقابلی مطالعہ کے لیے دیکھیں: محمد انس حسان، اعتقادی مسائل میں محدثین و متکلمین کا منہج اختلاف، ماہنامہ فکر و نظر، اکتوبر، دسمبر ۲۰۱۵ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

روایتی تصوف مبنی بر دل تصوف ہے، جب کہ سائنسی تحقیق کے نتیجہ میں دل تو کوئی چیز نہیں، وہ تو صرف پمپنگ مشین ہے، اصل چیز مائنڈ ہے۔ صوفیا نے دل کو بنیاد بنا کر ایک بے اصل چیز پر تصوف کی بنیاد رکھی۔ مولانا خود اپنے صوفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ایک سلسلہ میں بیعت بھی ہیں، مگر اپنے تصوف کو وہ مبنی بر مائنڈ تصوف قرار دیتے ہیں[15]۔

یوٹیوب پر اپنے ایک لیکچر میں غامدی صاحب نے دل اور مائنڈ کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ افادہ پیش کیا کہ: انسان کے جسم، یعنی حیوانی وجود میں تو دل ضرور ایک پمپنگ مشین ہے، مگر جسم کے ساتھ ہی انسان کو ایک شخصیت یا روح بھی ملی ہے، اس شخصیت کا مرکز جو دل ہے حدیث میں اسی دل کو 'إن في الجسد لمضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله' (انسان کے جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے جو اگر ٹھیک رہے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم فساد زدہ ہو جاتا ہے) کہا گیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جب کہ غامدی صاحب تزکیہ اور احسان کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے تصوف کے فلسفیانہ افکار کو اقبال کی طرح ''اسلام کی سرزمین میں ایک اجنبی پودا'' مانتے ہیں اور اس کا انھوں نے گہرائی سے جائزہ لیا ہے اور ''برہان'' میں اس پر ایک وقیع ناقدانہ مضمون بعنوان ''اسلام اور تصوف'' لکھا ہے[16]۔ ڈاکٹر راشد شاز نے ''ادراک زوال امت'' میں تصوف پر ایک پورا باب لکھا ہے اور روحانیین کے خبث باطن کو اجاگر کیا ہے۔ غلام قادر لون نے ''مطالعہ تصوف'' اور الطاف احمد اعظمی نے ''وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ'' میں قرآن کی روشنی میں اس پر تنقید کی ہے۔ اس موضوع پر غلام احمد پرویز کی کتاب بھی خاصے کی چیز ہے۔ البتہ تصوف پر ان تنقیدوں میں ایک مشترک کمی یہ محسوس ہوتی ہے کہ صوفیا کی اصطلاحات و تعبیرات کو خود صوفیا کے کلام سے نہیں سمجھا گیا ہے، بلکہ ان کے ظاہر سے جو مفہوم سمجھ میں آتا ہے، اسی پر نقد کیا گیا ہے۔

۷۔ خاں صاحب کے کام کا بڑا حصہ سائنسی اسلوب میں اسلامی لٹریچر، خدا کے اثبات وغیرہ پر مشتمل ہے، جب کہ غامدی نے فکر اسلامی میں در آئے بہت سے غلط تصورات کی تصحیح، مسلمانوں کی داخلی اصلاح اور تربیت پر زیادہ توجہ مبذول کی ہے۔ کلامی حصہ ان کے ہاں کم ہے۔ البتہ فقہی مسائل سے وہ اعتنا کرتے ہیں، حدیث کے

۱۵۔ ملاحظہ کریں: اظہار دین ۱۶۸-۱۶۹۔

۱۶۔ برہان، ص ۱۸۱ تا ۲۱۰، شائع کردہ المورد، لاہور، دسمبر ۲۰۰۹ء، طبع ہفتم۔

صحیح فہم پر زیادہ توجہ ہے۔ جس کی وجہ سے سلف کی اندھی تقلید کرنے والے طبقہ کے نزدیک وہ مبغوض قرار دیے گئے ہیں۔اور اس طبقہ کے اہل علم اپنی فرقہ دارانہ اور جمود پسند نفسیات کی تسکین کے لیے اس فکر کو بھی 'فرقہ''فراہیہ وغامدیہ' جیسے نامناسب القاب سے موسوم کرنے کی مذموم سعی کر رہے ہیں[۱۷]۔

۷۔ خاں صاحب اور غامدی صاحب، دونوں مکالمہ و گفتگو کے کلچر کے داعی ہیں۔ خاں صاحب غیر مسلم انٹیلیکچوئلز سے بھی ملاقات و گفتگو کرتے رہے ہیں۔ غامدی صاحب کے ہاں غالباً غیر مسلم انٹیلیکچوئلز سے انٹر ایکشن کی روایت کم ہے، شاید ہند و پاک کی اپنی اپنی فضا اور حالات کا بھی دونوں کی اپروچوں پر اثر پڑا ہے۔

۸۔ جہاد: جہاد کے بارے میں مولانا وحید الدین خاں اور استاذ غامدی، دونوں کی رائے یک گونہ ایک جیسی ہے اور یک گونہ مختلف۔ مثلاً خاں صاحب جہاد کو صرف دفاعی مانتے ہیں اور اس کے لیے قرآن کی آیت 'وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ'، ''صلح بہر حال بہتر ہے''(النساء ۴: ۱۲۸) سے اور صلح حدیبیہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔ اور بعد میں عہد صحابہ میں مسلمانوں کی طرف سے ہونے والی جنگوں کی یہی توجیہ کرتے ہیں، اور اس حوالہ سے اہل سیر وتاریخ اور فقہا پر ایک تنقید وہ یہ کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ ایک داعی پیغمبر سے زیادہ ایک غازی پیغمبر کی بنادی اور یہی ذہن بعد کے ادوار میں عام مسلمانوں کا بھی بن گیا۔ غامدی صاحب اصولاً جہاد کو اقدامی و دفاعی، دونوں سطحوں پر تسلیم کرتے ہیں، مگر وہ جہاد اقدامی کا سرا قرآن کے قانون اتمام حجت سے جوڑتے ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ جب کسی قوم پر اللہ کی حجت پوری ہو جاتی ہے تو اُسے اسی دنیا میں سزا دے دی جاتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی اقوام کو آسمانی عذاب لقمۂ اجل بنالیا کرتا تھا، اب اہل ایمان کی تلواروں سے ان کو یہ سزا دلوائی جاتی ہے، مگر یہ رسول کے ڈائریکٹ مخاطبین کے لیے ہے۔ اب چونکہ اس حد تک اتمام حجت کی کوئی شکل نہیں رہ گئی، لہٰذا اب اقدامی جہاد (قتال) درست نہ ہوگا[۱۸]۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

۱۷۔ مثال کے طور پر حافظ صلاح الدین یوسف کی کتاب ''فکر فراہی اور اس کے گمراہ کن اثرات، ناشر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر، کراچی۔ فرقہ اہل حدیث کے مشہور علمی ترجمان ''محدث'' پاکستان نے تو علم و اخلاق کی ساری حدوں کو پار کر کے غامدی صاحب کی ذاتی قدح و مذمت میں مولوی محمد رفیق چودھری کی ایک نظم تک شائع کی۔ دین کے ٹھیکہ داروں کی یہ اخلاقیات ہیں! بریں عقل و دانش بباید گریست!!

۱۸۔ دیکھیے: جاوید احمد غامدی، میزان، قانون دعوت، اتمام حجت ص ۵۴۰، قانون جہاد، ص ۵۸۰تا۶۱۰، شائع کردہ المورد لاہور، جنوری ۲۰۱۸ء۔

احیاے اسلام یا اسلام کی دوبارہ سیاسی حکمرانی کے بارے میں غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ اللہ نے دنیا میں پہلے حامی نسل کو، پھر سامی نسلوں کو زمین کا اقتدار دیا جو بنو عباس کے اقتدار کے خاتمہ تک جاری رہا۔ اب یافث کی نسل کی باری ہے۔ جن میں ترک و تاتاری اور مغل، مغربی اقوام، چینی اور ہند کے آریہ، سب شامل ہیں۔ یہی تحقیق اشراط الساعۃ کی احادیث پر کلام کرتے ہوئے علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی پیش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ :

''اس امت کے غلبہ کا عرصہ جیسا کہ شیخ اکبر، مجدد الف ثانی، شاہ عبد العزیز اور تفسیر مظہری کے مصنف قاضی ثناء اللہ نے کہا ہے کہ ایک ہزار سال تھا۔ اس کی تائید ابن ماجہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ میری امت کو آدھا دن ملے گا۔ اگر اس کے بعد وہ مستقیم رہی تو دن کا باقی حصہ بھی مستقیم رہیں گے، ورنہ ہلاک ہو جانے والوں کی طرح ہلاک ہو جائیں گے۔...... تاریخ بھی اس کی گواہی دیتی ہے کہ فتنۂ تاتار کی صورت میں عظیم مصیبت ہم پر پانچ سو سال بعد نازل ہوئی جس سے دین کی عمارت متزلزل ہو کر رہ گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان پر ہم سے جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا کیا اور ایک ہزار سال کی مدت پوری ہو گئی۔ اس مدت میں اسلام مشرق و مغرب میں ساری دنیا کے ادیان پر غالب تھا اور یہی زمانہ امت محمدی کے غلبہ کا زمانہ تھا، اس کے بعد اللہ نے ہم پر اہل یورپ کو مسلط کر دیا۔''[19] لہٰذا استاذ غامدی کے نزدیک مسلمانوں کو اور داعیان دین کو سیاسی کشمکش کے بجاے دعوت کے میدان میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ دنیا کے انسانوں تک قرآن پاک کو پہنچانے کی جدوجہد کریں۔ مولانا وحید الدین خاں بھی دنیا کو دار الدعوۃ مانتے ہیں اور مغربی تہذیب کو معاون دعوت۔ البتہ وہ اپنی راے کی ایسی کوئی تاصیل نہیں کرتے۔ یعنی غامدی صاحب کا ذہن امام شاطبی کی طرح اصول سازی کی جانب مائل ہے، جب کہ خاں صاحب کا ذہن بیانی ہے، اصولی نہیں۔ دجال، دابۃ الارض، مہدی اور مسیح کی آمد ثانی کو اصولاً مانتے ہوئے مولانا ان کی تاویل کرتے ہیں اور سائنسی توجیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مسیح کی آمد ثانی کو وہ اس معنی میں لیتے ہیں کہ یہ مسیح کا رول ہو گا کہ دنیا پر امن دور میں داخل ہو جائے گی اور جنگ

۱۹۔ ملاحظہ ہو: فیض الباری ۲/ ۱۶۳۔ اسی طرح انھوں نے ترکی نسل، اہل روس اور اہل برطانیہ کو یاجوج ماجوج کی اولاد بتایا کہ دنیا میں شر و فساد کے لیے ان کے خروج کا آغاز منگولوں کے حملوں کی صورت میں ہو چکا ہے۔ شاہ صاحب تیمور لنگ، چنگیز خاں اور ہلاکو خاں اور اسی طرح مغربی اقوام کی چیرہ دستیوں کو اسی پیشین گوئی کا مصداق قرار دیتے ہیں (فیض الباری ۴/ ۱۹۷)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وجدال کا ماحول ختم ہو گا[20]۔ غامدی صاحب دابہ و مہدی کے ظہور اور خروج دجال میں کوئی استبعاد نہیں سمجھتے، مگر مسیح کی آمد ثانی کے قائل نہیں ہیں، بلکہ اس معاملہ میں ان کا موقف وہی ہے جو سر سید، محمد عبدہٗ اور رشید رضا وغیرہ کا ہے۔

۹۔ غامدی صاحب قرآن، لغت عرب، کلام عرب، علوم قرآن وعلوم شریعت پر عبور رکھتے ہیں، جب کہ مولانا وحید الدین خاں صاحب کے ہاں وہ تحقیقی علم نظر نہیں آتا۔ ان کا فوکس جدید مغربی سائنس اور اس کے پیدا کردہ چیلنجوں سے نبرد آزما ہونا رہا۔ خاں صاحب ارتقا کو تسلیم نہیں کرتے[21]، غامدی صاحب ارتقا کو یک گونہ مانتے ہیں، مگر تخلیق آدم کو (بالذات) دونوں حضرات دینی مسلمہ مانتے ہیں۔

۱۰۔ فقہی آرا: اس کے ساتھ ہی غامدی صاحب کے کچھ فقہی تفردات بھی ہیں، مثلاً مغربی ممالک میں یا ان ممالک میں جہاں غیر مسلم اکثریت حکمران ہے، جمعہ کی نماز کی فرضیت کے بارے میں ان کا یہ خیال ہے کہ یہ اصلاً اسلامی حکومت یا اس کے نمایندوں کا حق تھا جس پر علما نے تجاوز کر کے اپنا حق قائم کر لیا ہے۔ اس تحقیق کی اصل متقدمین حنفیہ کی رائے میں ملتی ہے، مگر مفتیٰ بہ قول متاخرین کا ہے، جس کا حوالہ غامدی صاحب نہیں دیتے، مگر وہ یہ کہتے ہیں کہ علما نے اسلامی اجتماعیت کو برقرار رکھنے کے لیے ایک اجتہاد کیا ہے جس پر وہ عمل پیرا ہیں، مگر اس کے شرائط کی پابندی نہیں کی جا رہی ہے۔ بات اپنی جگہ معقول ہے، مگر بدلے ہوئے حالات میں جمعہ کو اصلاً حکام کے لیے قرار دینے میں بڑی مشکلات پیش آئیں گی کہ اسلامی اجتماعیت ہر جگہ مطلوب ہے اور جمعہ اس کا بہترین علامتی اظہار ہے، البتہ یہ حقیقت ہے کہ جس طرح عام مساجد اللہ تعالیٰ کی نہ رہ کر مختلف مسلکی گروہوں اور فرقوں کی بن کر رہ گئی ہیں، ان کا کوئی حل نکالنا ضروری ہے۔

اسی طرح غامدی صاحب یہ کہتے ہیں کہ غیر مسلم اکثریت کے ممالک میں مسلمان جو ٹیکس ادا کرتے ہیں، ان سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس کی کوئی شرعی اساس سمجھ میں نہیں آئی، کیونکہ زکوٰۃ صرف ٹیکس نہیں، بلکہ وہ نماز کی طرح ایک عبادت بھی ہے۔ اسی لیے حکومت یا اسلامی اجتماعیت اس کو وصول کرنے کا حق رکھتی ہے، لیکن اگر وہ نہ ہو تو پھر مسلمان اس کو انفرادی طور پر ادا کر سکتے ہیں۔ اس لیے غامدی صاحب کا یہ موقف کچھ زیادہ

۲۰۔ ملاحظہ کریں: الرسالہ، مسیحی ماڈل کی آمد ثانی، جون ۲۰۰۷ء۔

۲۱۔ مثال کے طور پر مذہب اور سائنس میں اس پر لمبی بحث ہے، اس کے علاوہ اظہار دین میں بحث ہے: حیاتیاتی ارتقاء ۱۳۱۔

مضبوط معلوم نہیں ہوا۔ مولانا وحید الدین خاں صاحب عموماً فقہی مسائل میں رائے دینے سے اجتناب برتتے ہیں۔

۱۱۔ بینک انٹرسٹ پر بھی ہر دو حضرات کی رائے عام علما سے الگ ہے۔ اگرچہ خاں صاحب نے اس مسئلہ کو کہیں وضاحت سے بیان نہیں کیا، جب کہ غامدی صاحب کہتے ہیں کہ بینک انٹرسٹ ربا میں داخل نہیں ہے۔ وہ اس کے دلائل بھی دیتے ہیں اور تجویز کرتے ہیں کہ بینک کو اسے انٹرسٹ نہ کہہ کر کوئی اور نام دینا چاہیے۔ حدود کے مسئلہ میں رجم، ارتداد اور شاتم رسول کی سزا کے بارے میں غامدی صاحب کا، بلکہ فکر فراہی کے تمام بڑے نمایندوں مولانا فراہی، اصلاحی اور مولانا عنایت اللہ سبحانی، سب کا نقطۂ نظر عام علما سے الگ ہے[۲۲]، جب کہ وحید الدین خاں رجم کے قائل ہیں، البتہ ارتداد اور شاتم رسول کی سزا کے بارے میں ان کا موقف بھی غامدی صاحب جیسا ہی ہے[۲۳]۔ مثلاً وہ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ اس قانون (ارتداد کی سزا) کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں ہے۔ یہ بعد کے کچھ فقہا کا مسلک ہے نہ کہ قرآن اور سنت کا۔''

۱۲۔ ایک بہت بڑی خوبی غامدی صاحب کی علمی تواضع ہے۔ وہ پورے اعتماد سے اپنی رائے رکھتے ہیں، مگر اپنی بات کو حرف آخر نہیں قرار دیتے۔ اس کے برعکس خاں صاحب بسا اوقات اس اسلوب میں کلام کر جاتے ہیں جس سے 'أنا ولا غیري' کی بو آتی ہے۔ اسی طرح غامدی صاحب جدید و قدیم علما سے اختلاف خوب کرتے ہیں، مگر ان کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ ان کا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہیں، جب کہ خاں صاحب بسا اوقات اپنی تنقید میں جارحانہ لب و لہجہ اختیار کر لیتے ہیں۔ مقام شکر ہے کہ اب ان کے تلخ لہجہ میں خاصی کمی آگئی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

غامدی صاحب نے قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کے بعد اب حدیث کے پراجیکٹ پر کام شروع کیا ہوا ہے۔ یہ بھی مہتم بالشان کام ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کون سی حدیث کس پس منظر میں آئی ہے اور کس واقعہ کو بیان کرتی ہے۔ اس سے یہ ہوگا کہ مختلف احادیث کے حوالہ سے مسلمانوں میں جو بہت سے غلط تصورات پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے غلط معانی و مطالب عام ہو گئے ہیں، ان کی اصلاح تبھی ہو سکتی ہے

۲۲۔ اس موقف کے دلائل کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں: 'تدبر قرآن'' میں 'رجم کی بحث'، مولانا سبحانی صاحب کی ''حقیقت رجم''، ''المیزان'' اور غامدی صاحب کی ''برہان''۔ تاہم شاتم رسول کے بارے میں علامہ فراہی اور مولانا اصلاحی کا نقطۂ نظر کیا تھا یہ راقم کو معلوم نہیں ہو سکا۔

۲۳۔ اظہار دین، ص ۵۴۵، گڈورڈ بستی نظام الدین، نئی دہلی ۲۰۱۴ء اور شتم رسول کے سلسلہ میں ان کی کتاب ''شتم رسول کا مسئلہ''، شائع کردہ وہی ناشر۔

جب ان احادیث و روایات کا صحیح پس منظر واضح ہو جائے۔ ضمناً اس سے اس تاثر کی بھی نفی ہوتی ہے کہ مکتب فراہی کے علما و مفکرین علم حدیث پر توجہ نہیں دیتے۔ خلاصتاً اگر دونوں صاحبان علم کی خصوصیات دو لفظوں میں مجھ سے بیان کرنے کے لیے کہا جائے تو میں کہوں گا کہ مولانا وحید الدین خاں تفکر فی الدین میں بڑھے ہوئے ہیں اور استاذ غامدی صاحب کا امتیاز تفقہ فی الدین ہے۔ بہر حال، ہر دو صاحبان کی فکر، علم و تحقیق امت کے لیے قیمتی متاع ہے اور ان سے صحیح طور پر استفادہ کیا جانا چاہیے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com